ٹر محمد ریاض

کشمیر اور ایران کے دیرینہ روابط

وادیٔ جموں و کشمیر صوری اور معنوی طور پر "فلات ایران" سے ملتی جلتی ہے۔ ایران کے شمالی اور جنوبی سرسبز و شاداب علاقے، وادی کے ایسے ہی علاقوں سے بڑی حد تک مشابہ ہیں۔ نباتات اور حیوانات کا بھی یہی عالم ہے۔ دونوں کے باغوں اور سبزہ زاروں میں گل و بلبل کا کم و بیش ایک جیسا حال نظر آتا ہے اور ایرانِ قدیم کے پُرفضا مقامات، جو اب افغانستان، ترکی، اور روس کا جزو بن چکے ہیں، وادیٔ کشمیر سے کم مشابہ نہ تھے۔ غالباً ان ہی مناسبات کی بنا پر بعض صاحبانِ ذوق نے وادیٔ کشمیر کو "ایرانِ صغیر" کا لقب دیا ہوگا اور علامہ اقبال رح جاوید نامہ (ص ۱۸۵) اور ارمغانِ حجاز (ص ۵۸) میں اس لقب کا ذکر کرتے ہیں۔ عبدالقادر سروری اپنی تالیف "کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ" میں لکھتے ہیں:

"فارسی کا کشمیر سے خاص ربط رہا ہے اور یہاں کی علمی اور ادبی زندگی پر فارسی کا بہت اثر پڑا ہے۔ گزشتہ چھ سات سو برسوں میں اس سرزمین سے فارسی کے ایسے عالم اور ادیب اٹھے، جن کا مقام فارسی میں گھٹایا نہیں جا سکتا۔ کچھ تو اس وجہ سے، اور کچھ آب و ہوا اور جغرافیائی خصوصیات کی یکسانیت کے سبب سے اہلِ ایران کشمیر کو "ایرانِ صغیر" کے نام سے موسوم کرنے لگے تھے۔"[1]

کشمیر میں نویں صدی ہجری کے فارسی ادب پر تبصرہ کرتے ہوئے یہی مصنف لکھتے ہیں:

"کشمیر میں فارسی کو ایسی ہمہ گیری حاصل ہو چکی تھی کہ کشمیر کے پنڈتوں نے بھی اسے علمی اور ادبی زبان کے طور پر اختیار کر لیا اور تحریر و تقریر دونوں پر ایسا قابو حاصل کر لیا تھا کہ اس زمانے کے کسی ایرانی کو بھی اس لحاظ سے اہلِ کشمیر پر تفوق نہیں رہا تھا۔ اسی لیے اہلِ ایران کے یہاں کشمیر "ایرانِ صغیر"

[1] صفحہ ۱ مطبوعہ سری نگر ۱۹۶۸ء

کہلانے لگا تھا۔"

ایران اور کشمیر کی جغرافیائی مناسبت کے بارے میں ہم شیراز اور سری نگر کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ "تختِ جمشید" جہاں ہخا منشی بادشاہوں کی عظمت کے آثار موجود ہیں، شیراز سے چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ایرانی روایات کے بموجب وہاں جم یا جمشید کا تخت اترا کرتا تھا۔ اس کے مقابلے میں کشمیریوں کی روایات مظہر ہیں[۵۱] کہ حضرت سلیمانؑ کا تخت سری نگر میں اترا تھا اور ان ہی کے حکم سے یہ علاقہ آباد ہوا۔ گویا سامی روایات کا سلیمان اور ایرانی روایات کا جم یا جمشید ایک جیسی خصوصیات کے حامل ہیں، بنا بریں نواحِ شیراز کے مشہور مرغزار کا نام اگر "باغِ ارم" یا "باغِ سلیمان" ہے تو امیر کبیر سید علی ہمدانی (۷۱۴-۷۸۶ھ) کے بقول نواحِ سری نگر جموں و کشمیر کی وادی وہ واحد قطعہ اراضی ہے جسے ایرانیوں نے "ایرانِ صغیر" کہا اور سچا کہا۔

تاریخ کے آئینے میں

وادیٔ جموں و کشمیر کی کوئی دو ہزار سالہ مستند تاریخ موجود ہے۔ روایاتی اور افسانوی تاریخ اس سے ماوراء ہے۔ اور اس میں حقیقت کا عنصر بھی موجود ہو سکتا ہے، خصوصاً کلہن کی "راج ترنگنی" (مولفہ ۱۱۴۹ء) میں اس منطقے کی جداگانہ حیثیت مسلمہ ہے۔ مگر یہ برعظیم کے دوسرے منطقوں سے الگ تھلگ نہیں۔ البتہ خطۂ کشمیر کی حدود و ثغور بدلتی رہی ہیں اور اس کی کیفیت کو "تواریخِ ہزارہ" مولفہ محمد اعظم اور تاریخِ حسن جلد اول مولفہ پیر غلام حسن میں دیکھا جا سکتا ہے۔ چونکہ برعظیم پاکستان و ہند اور ایران کے روابط قدیم الایام سے موجود رہے ہیں اس لیے ان کا ربط و اثر وادی تک بھی جا پہنچتا ہے۔ البتہ وادی کے بعض امتیازات کی خاطر اگر آپ ایشیا کے نقشے پر نظر ڈالیں تو اس خطہ کے ڈانڈے افغانستان، جنوبی روس اور شمال مغربی ایران سے ملتے جلتے نظر آئیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ایران قدیم اور وادی کے درمیان خصوصی روابط رہے ہیں۔ فیضی کی "مجمل التواریخ" درجۂ اول کی تواریخ میں شامل نہیں[۵۳]۔ اس میں تاریخ اور افسانہ ممزوج

---

[۵۱] تاریخ حسن جلد دوم، سری نگر ۱۹۵۴ء
[۵۲] کشمیر (ج ۱، ص ۱۹)
[۵۳] ۳ جلد ۵۵؎ محمود فرخ مشہد ۱۳۳۴ش

نظر آتا ہے مگر ایران و کشمیر کے روابطِ تاریخی کے بارے میں اس میں دلچسپ باتیں مندرج ہیں۔ مثلاً بہمن بن اسفندیار کیانی نے کشمیر کے بادشاہ "صورنائی" کی لڑکی کسایوں سے شادی کی تھی۔ اور تیسری صدی عیسوی میں ایران کا "پیغامبر مسعود" مانی کشمیر آیا تھا۔ مصنف کا خیال ہے کہ مانی کی تبلیغ کے نتیجے میں اُن کا مذہب ترکستان، تبت اور چین میں پھیل گیا اور اس تبلیغ کا مرکز کشمیر کو بنایا گیا تھا۔ یاد رہے کہ مؤرخ کا یہ دعویٰ سید محمد علی جمال زادہ اور احمد افشار شیرازی کی ان تحقیقات سے ہم آہنگ نہیں جو انھوں نے مانی کے بارے میں کی ہیں[۱]۔ مگر اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ ساسانیوں کے عہد میں کشمیر اور ایران کے درمیان روابط رہے ہیں۔ سرینگر کے قریب گوتم بدھ کا قدیم مجسمہ، ساسانی عہد کے مجسموں کی ساخت سے بڑی حد تک مشابہ ہے۔

"کلیلہ و دمنہ" فارسی کی ردیف اول کی کتابوں میں سے ہے۔ خصوصاً نصر اللہ بن عبد الحمید منشی ابو المعالی کا ترجمہ جو اس نے عبد اللہ بن مقفع (وفات تقریباً ۱۴۵ھ) کے عربی کے ترجمے سے کیا ہے۔ اس کتاب کی اصل سنسکرت کی کتاب "پنج تنترا" ہے جسے کسی کشمیری نے لکھا اور خسرو انوشیروان ساسانی کا ندیم برزویہ حکیم، اسے ایران لے گیا تھا۔

وادیٔ جموں و کشمیر کے باشندوں کی اصل نژادی کے بارے میں اختلاف ہے۔ اگر سامی اصل کے کچھ لوگ یہاں آتے ہوں، خصوصاً "عباسیوں" کے آبا و اجداد جو وادی کے علاوہ پنجاب کے علاقوں میں بھی پائے جاتے ہیں، تو بھی وہاں وسط ایشیا کے آریاؤں کی آمد کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ آٹھویں صدی کے اوائل تک وادی میں براہمانی اور ہندوانی سلطنتوں کی موجودگی اس بات کی غماز ہے کہ یہاں کے باشندے آریاؤں میں سے تھے۔ اس دور تک زبان، ادب، اور ثقافت میں عربی اثرات ناپید ہیں، حالانکہ عجمی ایرانی اثرات کی موجودگی واضح ہے۔ اس پس منظر کے ساتھ مذکورہ صدی میں اسلام کے دھندلے اثرات نمایاں تر ہونے لگے۔

برعظیم میں وارد ہونے والے پہلے مسلمانوں میں سے بعض وادیٔ کشمیر میں آئے تھے۔ البتہ ان کی سرگرمیوں کی کیفیت ہم پر غیر واضح ہے۔ حمیم بن ثمامہ شامی کا نام جملہ تواریخ میں ملتا ہے اور اسے

---

[۱] مانی و دینِ او، تہران ۱۹۵۹ء۔

کشمیر میں سب سے پہلے داخل ہونے والے مسلمانوں میں مانا جاتا ہے۔ البتہ اس بات پر اختلاف ہے کہ وہ راجگانِ کشمیر کی ملازمت میں تھا، یا محمد بن قاسم ثقفی کے افرادِ لشکر میں سے جو فرزندانِ داہر کا تعاقب کرتے ہوتے وادی تک جا پہنچے تھے۔ محمد بن قاسم کے لشکر کے اکثر افراد ایرانیوں اور خصوصاً شیرازیوں پر مشتمل تھے۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے کئی افراد وادی جموں و کشمیر میں متمکن ہو گئے تھے۔ اس طرح سے عربی اور فارسی جیسی اسلامی زبانیں، پہلی صدی ہجری / آٹھویں صدی عیسوی میں ہی وادی کو نصیب ہو گئی تھیں۔ پھر کشمیر کے راجہ تاراپیڈ یا نے کابل، ہرات اور خراسان کے حکام سے کئی جنگیں کیں اور فتح یاب بھی ہوا۔ وہ فارسی بولنے والے کئی قیدی وادی میں لے آیا تھا۔ اور اس طرح یہ زبان کم از کم تکلمی حد تک یہاں متعارف ہونے لگی۔

ایران اور کشمیر کے تاریخی روابط بلا انقطاع موجود رہے مگر تین صدیوں کے وقائع پر تاریکی کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ایرانی تواریخ ہوں یا کشمیری، سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء) کے ذکر سے قبل خاموش نظر آتی ہیں۔ سلطان نے کشمیر پر تین حملے کیے [۱] مگر اس علاقے کو نہ پورا فتح کیا اور نہ یہاں جم بیٹھنے کا ارادہ کیا، بلکہ سلطان نے راجگانِ کشمیر کو اپنا باجگزار بنایا اور مسلمانوں کو کئی علاقوں میں آباد ہو جانے کی ترغیب دی۔ اس کے نتیجے میں وادیِ کشمیر میں مسلمان ایک قابلِ ذکر تعداد میں آ بسے۔ راجہ ہرش کے عہدِ حکومت میں کشمیر میں مسلمانوں کی خاصی تعداد کا ذکر ملتا ہے۔

اطالوی سیاح مارکوپولو نے ۱۲۷۵ تا ۱۲۷۷ء میں جب وادی کی سیر کی، تو اس نے بھی مسلمانوں کی خاصی تعداد کا ذکر کیا [۲] بعد میں غالباً یہ تعداد کم ہوتی رہی۔ آٹھویں صدی ہجری تک بہت کم مسلمان وادی میں رہ گئے تھے۔ تین قرنوں کی افراتفری کے دور میں مسلمانوں پر کیا گزری؟ اس کی تفاصیل ناپید ہیں۔ البتہ شدید ترین مذہبی تعصبات کی وجہ سے ان کی ترکِ سکونت واضح ہے۔

اسلامی رشتے

برِعظیم پاکستان و ہند کے کئی اور علاقوں کی مانند، وادیِ کشمیر میں بھی اسلام اور اسلامی

---

[۱] تاریخ گردیزی مصحح عبدالحی حبیبی قندھاری، تہران ۱۳۴۵ ش۔

[۲] TRAVELS OF MORCO POLO LONDON 1957

تہذیب ایران کے راستے سے وارد ہوئی اور اس میں ایرانی مبلغین اور مصلحین کی کوششوں کا بڑا دخل ہے۔ برِعظیم میں سلطان محمود غزنوی کے دور میں مسلمانوں کی کچھ تعداد موجود تھی، بعد میں یہ تعداد بڑھتی چلی گئی مگر خطۂ کشمیر میں اشاعتِ اسلام کا کام آٹھویں صدی ہجری کے اوائل تک کم و بیش موقوف رہا، لیکن مذکورہ صدی کے اواخر تک وادی کا گوشہ گوشہ نیّرِ اسلام کی ضیا پاشیوں سے مستنیر ہوگیا۔

مورخین[۱] متفق ہیں کہ وادی کے پہلے بڑے مبلغِ اسلام سید شریف الدین عبدالرحمٰن بلبل شاہ ہیں۔ موصوف سہروردیہ سلسلے کے مشہور صوفی شاہ نعمت اللہ فارسی شیرازی کے مرید اور عالم دین اور عابد تھے۔ آپ ایرانِ قدیم کے علاقہ ترکستان کے رہنے والے تھے۔ ۷۲۰ھ میں وادی میں وارد ہوئے اور تبلیغِ اسلام کا کام شروع کیا۔ حضرت بلبل شاہؒ کو مقامی مسلمانوں کا بھرپور تعاون حاصل تھا۔ آپ یہاں کے خراب حالات اور حوادث سے صرفِ نظر کر کے ہندومت اور برہمائی سامراج کے تحت دبے ہوئے افراد کی تالیفِ قلب میں مصروف رہے۔ ان کی کوشش سے بدھ مت کا پیرو حاکم رنجن ۷۲۵ھ میں معجزانہ طریقے سے مسلمان ہو کر سلطان صدرالدین کے لقب سے مشرف ہوا[۲]۔ شاہ مرزا ابن شاہ طاہر سواتی اور لنگر چک نامی مسلمان جو پہلے سے نظامت کشمیر سے وابستہ تھے اب زیادہ سرگرمی سے کام کرنے لگے اور ۷۲۷ھ میں جب حضرت بلبل شاہؒ نے ارتحال فرمایا تو دس ہزار سے زائد افراد اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس کے ایک سال بعد ۷۲۸ھ میں سلطان صدرالدین کا انتقال ہوگیا اور سلطان کی بیوی اور شاہ میر کے درمیان ۱۵ سال تک جنگ و مناقشت کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار ۷۴۳ھ میں شاہ میر سلطان شمس الدین کے لقب سے حکمران بنا۔ شاہ میریوں نے کوئی ڈھائی سو سال تک کشمیر پر حکومت کی۔ اس کے بعد چک سلاطین کا مختصر عہد رہا اور پھر مغلوں کا دور دورہ شروع ہوگیا۔

روحانی روابط

حضرت بلبل شاہؒ نے روحانی روابط کا آغاز کیا اور پھر یہ سلسلہ بلا انقطاع چل نکلا۔ مبلّغینِ ایران

---

[۱] بالعموم ذکر کشمیر میں۔

[۲] مفتی محمد شاہ سعادت، بلبل شاہ، سری نگر ۱۳۶۰ق

کے گروہ در گروہ وادی میں وارد ہونے لگے اور اس منطقہ کا گوشہ گوشہ صدائے اسلام سے گونج اٹھا۔ ۷۴۰ ہجری میں حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی معروف بہ شاہ ہمدان نے وادی میں قدم رکھا[1] اور کفر و باطل کی جنگ کا مشاہدہ فرمایا۔ اس وقت آپ خود تو تشریف لے گئے مگر اپنے اعزّہ اور مریدوں کو یہاں بھیجتے اور حالات سے باخبر ہوتے رہے۔ اسی دوران حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہانگشت (متوفیٰ ۷۸۵ھ) وادی میں تشریف لائے اور تاریخ حسن (جلد ۲) کی روایت کے بموجب تقریباً تین ہفتے یہاں وعظ و تبلیغ فرمائی۔ ۷۷۴ھ میں شاہ ہمدان خود تشریف لائے۔

شاہ ہمدان مبلغین و مصلحین کشمیر میں خاص امتیازی شان رکھتے ہیں اور "حواریٔ کشمیر" کہلاتے ہیں[2]۔ آپ امیر تیمور گورگانی (۷۷۱-۸۰۷ھ) سے اختلاف کی بنا پر کشمیر آئے جس کی تفصیل روضات الجنان و جنان الجنات جلد دوم مؤلفہ حافظ ابن الکربلائی (م۔ ۹۹۷ھ) میں دیکھی جا سکتی ہے[3]۔ شاہ ہمدان سات سو فاضل اور باہنر سادات ایرانی کے ساتھ وادی میں وارد ہوئے تھے۔ یہ سلطان شہاب الدین کا دور تھا (۷۵۵-۷۷۵ھ) اس سلطان کا جانشین سلطان قطب الدین (۷۷۵-۷۹۶ھ) شاہ ہمدان کا مرید ہو گیا۔ ان بادشاہوں کے دور میں شاہ موصوف اور ان کے فاضل ہم کاروں مثلاً سید حسین سمنانی، سید جمال الدین محدّث، سید محمد کاظم، سید کبیر بیہقی اور سید کمال الدین بیہقی نے وادی جموں و کشمیر کی کایا پلٹنے میں کامیابی حاصل کی۔ شاہ ہمدان ایک سیار مبلغ تھے اور انھوں نے تین بار ربع مسکوں میں گشت فرمایا تھا اس لیے ۷۷۲ھ سے تادمِ وفات (۶ ذی الحجہ ۷۸۶ھ) کشمیر میں مقیم رہے اور اس عرصے میں انھوں نے وادی اور اس کے نواح میں ۳۷ ہزار سے زائد افراد کو مشرف بہ اسلام کیا۔ انھوں نے پوری وادی میں تبلیغ تعلیم و تربیت اور آداب و سنن اسلامی کی ترویج کا ایک ہمہ گیر نظام قائم کیا۔ شال بافی، پارچہ بافی، ظروف سازی اور تذہیب و خطاطی کی ایرانی صنعتوں کو کشمیر میں اس طرح رائج کیا کہ یہ خطّہ معنوی طور پر "ایران صغیر" بن گیا۔

---

[1] مستورات یا منقبۃ الجواہر مؤلفہ حیدر بدخشی (قرن نہم ھ) مخطوط خانقاہ احمدیہ تہران۔

[2] علی اصغر حکمت از ہمدان تا کشمیر یغما آیا نماہ ۱۳۳۰ش، تہران۔

[3] دیکھیے میرا مقالہ، ماہنامہ المعارف لاہور۔ دسمبر ۱۹۷۱ء

شاہ ہمدان عربی اور فارسی کے زبردست انشاء پرداز اور فارسی کے شاعر تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔ انھوں نے عربی و فارسی زبانوں کو وادی میں خوب رواج دیا اور یہاں بدھ مت اور ہندو مت کے عقائد نیز براہمائی تہذیب و تمدن کے بجائے ثقافتِ اسلامی کو مروج کرنے کی بڑی سعی فرمائی [۱]۔ ایران و کشمیر کے روحانی روابط کو بہت زیادہ فروغ دینے والے شاہ ہمدان ہی ہیں۔ وہ کبروی سلسلہ کے درویش تھے اور یہ سلسلہ وادی میں خوب پھیلا ہے۔

عرفان اور اسلامی تصوّف نے عجم میں آ کر ایک نئی شکل اختیار کر لی تھی، کشمیر کی بھی یہی خصوصیت ہو گئی۔ جوگیوں، رشیوں اور صوفیوں نے اس پُر فضا سرزمین کو اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنا رکھا تھا۔ بقول ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی کشمیر میں طریقت، شریعت پر غالب تھی۔ شاہ ہمدان شریعت اور طریقت کو ایک ساتھ تطبیق دینے والے بزرگ تھے۔ ان کے ساتھیوں اور ان کے فرزند حضرت میر سید محمد ہمدانی (م ۸۵۴ھ) کا یہی حال تھا۔ سید محمد ہمدانیؒ سلطان اسکندر بت شکن (۷۹۶ - ۸۲۰ھ) کے سالِ جلوس میں دو یا تین سو ایرانی سادات کے ساتھ کشمیر میں وارد ہوئے تھے۔ مسجد شاہ ہمدان کو ایرانی خانقاہوں کے انداز پر انھوں نے ہی ۷۹۸ھ میں تعمیر کروایا تھا اور یہ تاریخی مقام اب تک قائم ہے۔ حضرت محمدؒ ہمدانیؒ نے اپنے والد مکرم کی مانند، ایرانی تہذیب و تمدن اور اسلامی نقوش کے شیوع کی خاطر بے حد کوششیں صرف کی ہیں۔ تاریخ حسن (جلد دوم) مظہر ہے کہ موصوف نے ساری وادی میں بالعموم اور موجودہ آزاد جموں و کشمیر کے علاقوں میں بالخصوص مدارس اور خانقاہوں کا جال بچھا دیا تھا۔

کشمیر پہ ایران کے نمایاں تر اثرات کا دَور

وادیٔ جموں و کشمیر کی ہمہ گیر و ہمہ جہتی ترقی کے لحاظ سے سلطان زین العابدین بڈشاہ (۸۲۳ - ۸۷۷ھ) کا نیم قرنی دَور غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ سلطان شہاب الدین کی فتوحات مسلّم اور اقبالؒ کا یہ ارشاد بجا کہ:

عمرہا گل رخت بر بست و کشاد ! خاکِ ما دیگر شہاب الدین نزاد [۲]

---

[۱] ایران نامہ مطبوعہ بزمِ اقبال لاہور ۱۹۷۱ء [۲] جاوید نامہ، ص ۱۸۰

لیکن زین العابدین کی اور بات ہے۔ وہ کچھ عرصہ ایرانِ قدیم کے مشہور مردم خیز شہر سمرقند اور تیمور کے دارالحکومت میں رہا تھا۔ سلطان سکندر کے عہد میں جب تیمور نے ہند پر حملہ کیا، اور وادی کی طرف بھی حریصانہ نظر ڈالی تو سلطان مذکور نے تحائف نذر کر کے اس مصیبت کو ٹال دیا۔ خیرسگالی کی خاطر، سلطان اسکندر نے ولی عہد زین العابدین کو سمرقند بھیجا اور وہ تیمور کی وفات کے بعد ۸۰۷ھ میں کشمیر لوٹا۔

سلطان زین العابدین نے ملک کو ہر طرح ترقی دی۔ اس کے علاوہ ایران کے اکثر حکام و امرا کے ساتھ انتہائی دوستانہ مراسم رکھے اور وہاں کے ہنروروں، خطاطوں، قالین بافوں، شال بافوں، کاغذسازوں، جلدسازوں، پارچہ بافوں، خوشنویسوں، شاعروں اور عالموں اور فقیہوں کو کشمیر آنے کی دعوت دی۔ آنے والوں کو گراں قدر مشاہرے اور جاگیریں دے کر ان کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ سلطان کو ایرانی ادائیں بھا گئی تھیں۔ چنانچہ عادات، لباس غذا اور جملہ رسوم و آداب میں وہ باصطلاح ایران مآب تھا۔ وہ خود مصنف اور فارسی کا شاعر تھا[۱]۔ اس کے قائم کردہ کتب خانے قابلِ قدر مخطوطات سے بھرے تھے۔ کتابوں پر سلطان کے کثیر مصارف کو دیکھ کر صاحب واقعات کشمیر کے بقول امراء اراکین سلطنت بعض اوقات کبیدہ خاطر ہوتے اور شاکی رہتے تھے۔ شاہ رخ میرزا ابن تیمور گورگانی کو ایک مرتبہ سلطان نے بہت سے تحائف بھیجے اور اُسے لکھا کہ اگر نفائس کا بدلہ نفائس میں دینا ضروری ہو تو یہ نفائس کتابیں ہوں، اور بس۔ حاکم خراسان سلطان ابوسعید، والیٔ آذربائیجان جہاں شاہ کو بھی زین العابدین نے کتابیں بھجوانے کے لیے لکھا تھا۔ مدرسین اور مترجمین کی سلطان کے ہاں کئی جماعتیں تھیں۔ مہابھارت اور راج ترنگنی اسی دَور میں سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ ہوئیں۔ مترجمین و مدرسین میں مُلّا احمد مُلّا ندیمی، صدرالدین کاشی، احمد رومی، علی شیرازی، حسین غزنوی اور سید ناصرالدین بیہقی کے اسما قابلِ ذکر ہیں۔ ملا احمد راج ترنگنی کے مترجم ہیں۔ آپ فارسی کے شاعر بھی تھے۔

یہ امر باعثِ حیرت ہے کہ دو صدیوں سے کم عرصے میں ایرانی مبلغینِ اسلام کی مساعی کے نتیجے میں وادی کی قدیم تہذیب و تمدن کے نقوش ماند پڑ گئے، سنسکرت کی جگہ عربی اور خاص کر فارسی

۱۔ محمد اعظم دیدہ مری، واقعاتِ کشمیر (تاریخ اعظمی)

لے لی، اور کشمیری زبان کے لیے فارسی اور عربی کا رسم الخط اختیار کیا گیا۔ کشمیری زبان فارسی، عربی لغات کی مدد سے علمی و ادبی زبانوں کی ہم پلہ ہونے لگی۔ اس کی ابتدائی ترقی کے آثار سلطان زین العابدین کے عہد میں ہی ظاہر ہونے لگے تھے۔

کشمیریوں نے ایرانیوں کے بہت سے فنونِ لطیفہ اپنائے ہیں۔ سلطان زین العابدین نے ملّا جمیل خراسانی اور ملّا عود خراسانی جیسے نامور موسیقی دانوں اور نئے نوازندوں کو مدعو کیا اور موسیقی کی ترویج کی۔ تصوف، سماع اور موسیقی میں اختلافات کے باوجود کافی موانست ہے۔ صوفیہ کی آمد نے کفار کی گوش گزا صداؤں کی جگہ خوش آیند موسیقی کو رواج دیا۔ سلطان زین العابدین نے سمرقندی خطاطوں کو کشمیر میں مدعو کیا اور اس فن کی سرپرستی فرمائی۔ کشمیریوں کے لکھے ہوئے مخطوطات آج بھی اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان میں اور ایرانیوں کے نوشتہ مخطوطات میں کوئی مغائرت نہیں پائی جاتی۔ ابریشم سازی، مہر سازی، اور باغبانی میں وادی کشمیر اور سمرقند، بخارا، نیز وسطی ایشیا کے دیگر شہروں میں مماثلت نظر آتی ہے۔ شاہمیری سلاطین کے معارف گستر دَور میں غیر مسلم بھی اسلامی ایرانی تہذیب اپنانے پر نازاں اور فارسی آموزی کے شائق تھے۔

ادبی روابط

کشمیر نے اسلامی دَور میں ۳۰۵ فارسی شاعر اور ۱۵۰ ادیب پیدا کیے جو صفِ اوّل کے لوگ سمجھے جاتے ہیں اور انھوں نے جملہ متداول علوم و فنون پر لکھا ہے۔ شاعری میں محسن فانی، غنی کشمیری، جویا، مشتاق، ساطع اور صرفی وغیرہم، کشمیر میں وارد ہونے والے ایرانی شعرا عرفی، شاپور تہرانی، قدسی، رضی دانش، سلیم تہرانی، صائب تبریزی، ملا طغرا مشہدی، کلیم اور میر الٰہی ہمدانی کے ہم پلہ ہیں۔ محسن فانی اور صرفی تو جامع الکمالات شخصیتیں ہیں۔ فانی نے "دبستانِ مذاہب" (اگر یہ انتساب صحیح ہو) لکھ کر جملہ اہم مذاہب و فرق کے بارے میں اپنی وسعتِ معلومات کا ثبوت دیا ہے ان کے بعض بیانات محلِ نظر ہیں۔ (جیسے آذر کیوانی زرتشتی کا زرتشتیت کی تبلیغ کی خاطر کشمیر آنا، حالانکہ زرتشتی کسی "نو وارد" کو اپنے دین میں قبول نہیں کرتے) تاہم "بیان الادیان" (قرن ششم ہجری کی ایک تالیف جس کا مؤلف نامعلوم ہے) کے بعد غالباً یہ دوسری متنوع تالیف ہے، جو اس موضوع پہ کشمیر میں لکھی گئی۔ شیخ یعقوب صرفی (م ۱۰۰۳ھ) خمسہ نگار، عارف، صوفی، سیاح، صاحب دل

اور نغز گو شاعر تھے۔ انھوں نے تاجکستان اور ایران کے دوسرے شہروں میں متعدد بار سیاحت کر کے معاصر ایرانیوں سے ملاقات کی۔ استاد سعید نفیسی مرحوم کی تحقیق کے مطابق انھوں نے اصفہان میں شاہ طہماسپ صفوی سے ملاقات کی تھی اور شاہ موصوف ان کی صائب نظری سے بہت متاثر ہوا تھا۔ صرفی کو "جامیِ ثانی" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

شاہمیری سلاطین نے ایران دوستی کی جو مثال قائم کی تھی، چک سلاطین نے اسے قائم رکھا۔ اس دور میں میرزا حیدر دغلت صاحب "تاریخ رشیدی" نے بھی کچھ عرصہ تک کشمیر پر تسلط جمائے رکھا اور ایرانی و ترکی آداب کو مزید تعمق بخشا۔ میرزا حیدر دغلت نے باغات، حمام اور مسافر خانے ایرانی انداز کے بنوائے اور مدارس کی تعداد میں اضافہ کیا۔

مغل شاہنشاہ وادیٔ کشمیر کے غیر معمولی گرویدہ تھے اور اس کی شبانہ روز ترقی کی خاطر کوشاں رہے۔ مغلوں نے ۹۳ حکّام کشمیر بھیجے جن میں سے دس شاعر تھے۔ ان میں خواجہ ابو الحسن تربتی خراسانی ان کا فرزند ظفر خاں احسن اور پوتا عنایت خاں آشنا خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ صائب تبریزی دادو دہش اور علم و فضل میں احسن کو عبد الرحیم خان خاناں پر ترجیح دیتا ہے۔ ان ایرانی نژاد حکام نے کشمیر کو فارسی زبان و ادبیات کے لحاظ سے بھی "ایرانِ صغیر" بنا دیا تھا۔ ان حکام کی معارف پروری کی بدولت ایرانی شعرا جوق در جوق کشمیر کی راہ لیتے رہے اور درجہ اول کے متعدد شعرا "مزار الشعرا" (نند مسری نگر) میں مدفون ہیں۔ نامور کشمیری صوفیہ میں شیخ حمزہ اور بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہم اپنی تصانیف اور شاعری کے لیے مشہور ہیں۔

فارسی زبان و ادبیات کی ترقی افغانوں کے عہد میں بھی جاری رہی۔ سکھوں کا سفاک عہد (۱۸۱۹ تا ۱۸۴۶ء) اور ڈوگرہ ہندو راج کا غاصبانہ دور (۱۸۴۶ء تا امروز) بھی ایرانیت کے قوی اثرات کو گزند نہ پہنچا سکا۔ اور آزاد کشمیر کی مانند مقبوضہ کشمیر بھی فارسی دوستی کا ثبوت دے رہا ہے۔ وہاں اب تک شاہنامہ فردوسی لحن کے ساتھ پڑھنے والے موجود ہیں۔ فارسی نویسوں اور فارسی شعرا کی خاصی تعداد اب بھی کشمیر کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہے۔ بہت سے ادیب کشمیری ادب میں فارسیت کو رواج دے رہے ہیں۔ سبری (م ۔ ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء) نے شاہنامہ فردوسی میں سے قصہ بہرام گور اور قصہ چہار درویش کو کشمیری میں منظوم کیا ہے۔ محمود گامی نے خمسہ نظامی کی تقلید میں خمسہ کشمیری لکھا ہے۔

مولوی صدیق اللہ کشمیری (م-۱۳۱۷ھ) نے اسکندر نامہ نظامی کو کشمیری زبان میں ترجمہ کیا- عزیز اللہ حقانی نے عطار کی منطق الطیر کے ایک دلآویز حصے "داستان شیخ صنعان" کو کشمیری نظم میں منتقل کیا- سیف اللہ کی کشمیری نظم "وامق و عذرا" (بہ تقلید عنصری) اور داستان رستم و سہراب بڑی دلآویز ہیں- غلام نبی خیال نے حال ہی میں رباعیات عمر خیام کشمیری زبان میں منتقل کی ہیں اور علامہ اقبال کی اسرار خودی بھی کشمیری نظم میں ترجمہ ہو کر چھپ چکی ہے۔

ایران اور کشمیر عہد حاضر میں

۱۹۴۷ء کے بعد مقبوضہ کشمیر میں بھی بھارت کے دیگر علاقوں کی پالیسی کے علی الرغم، فارسی کا کافی رواج ہے اور اس علاقہ کے موجودہ شعرا میں شمس الدین حیرت کاملی پاندانی بہت مشہور ہیں- (متولد ۱۳۰۸ھ) انھوں نے "فسانۂ حیرت" کے عنوان سے ایک مثنوی لکھی جو چھ جلدوں میں ہے- نیرنگ حیرت اور قانون صحت ان کی دیگر فارسی مثنویاں ہیں- "شاہنامہ بڈشاہی" میں انھوں نے سلطان زین العابدین کے کارناموں کو نظم کیا ہے- مثنوی مولانا روم کو انھوں نے کشمیری میں منتقل کیا (کامل)- ان کا "کلیات شعر فارسی" ان سب پر مستزاد ہے- مرصع غزلیں اور قاآنی شیرازی کے انداز کے مخمس بے حد دلآویز ہیں- وہ علامہ اقبال سے بے حد متاثر ہیں-

پیر عبدالقادر آثم (م-۱۳۶۴ھ) میر غلام رسول نازکی، میرزا کمال الدین شیدا، محمد طیب شاہ صدیقی ضیغم (متولد ۱۹۰۴ء)، سید مبارک شاہ فطرت (متولد ۱۳۱۶ھ)، سید شمس الدین غمگین، اسرخوش کشمیری اور خواجہ امین داراب (متولد ۱۳۰۸ھ) فارسی کے نامور معاصر شاعر ہیں- اس مختصر مضمون میں ہم ان قادر الکلام شعرا کے ابیات نقل کرنے سے قاصر ہیں- البتہ داراب کا مختصر ساذکر ضروری ہے- یہ داراب وہی ہیں جنھوں نے شہید ملت لیاقت علی خان کی شہادت کے موقع پر ایک زوردار مرثیہ لکھا، اور پاکستان کو بھجوایا تھا- آپ جدید دور کے کلاسیکی شاعر ہیں- ایران کے نامور شعرا اور علامہ اقبال کی سرزمین میں شعر کہنا، داراب کی فارسی سرائی کا خاصہ ہے- شیخ محمد ایوب کی "نوائے فردا" کی مانند، داراب نے بھی اقبال کی "زبور عجم" کا فارسی میں جواب لکھا ہے-

عبدالقادر سروری کی نگارش مظہر ہے کہ ظفر خاں احسن، خمسہ سرایان پارسی در کشمیر، غزل سرایان پارسی در کشمیر اور ادبیات فارسی در عہد سلاطین شاہمیری کے عناوین پر طلبا تحقیقی مقالے لکھ چکے ہیں- ایک

طالب علم بنام شمس الدین احمد ۱۹۶۶ء میں تہران یونیورسٹی سے فارسی میں ڈاکٹریٹ لے کر لوٹے ہیں۔ ان کا مقالہ مشتاق کشمیری کے بارے میں تھا۔ آزاد کشمیر کے ایک اسکالر احمد الدین صابر آفاقی نے راج ترنگنی مذکور کی تصحیح کرکے اس سال تہران یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔

ان اشارات کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے کہ کشمیر اور ایران کے صوری اور معنوی روابط قدیم ایام سے اب تک کماکان باقی ہیں۔ اور یہ روابط ایران اور پاکستان کے برادرانہ روابط کی ایک کڑی محسوب ہوتے ہیں۔

الفہرست

(از محمد بن اسحٰق ابن ندیم وراق۔ اردو ترجمہ: جناب محمد اسحٰق بھٹی)

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے:

اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید، نزولِ قرآن، جمع قرآن اور اس کے قراء، فصاحت و بلاغت ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتبِ فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارسِ فکر، علمِ نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، سحر و شعبدہ بازی، طب اور صنعت کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلے کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

علاوہ ازیں واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیونکر عالم وجود میں آئے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اُس وقت جو مذاہب رائج تھے اُن کی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے۔ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی و ارتقا کی کن منازل سے گزریں۔ ان زبانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیے گئے ہیں۔

ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور فاضل مترجم نے جگہ جگہ ضروری حواشی بھی دیے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔ صفحات ۹۱۴، قیمت: ۲۲/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور